

اسلام میں اختلاف کے آداب

(۷)

فقہاء کا اختلاف اور اس کے آداب (۱)

ترجمہ و تلخیص: جناب عبدالحی ابرو صاحب - اسلامی یونیورسٹی - اسلام آباد

صحابہ و تابعین کی طرح ائمہ فقہ کے درمیان بھی کئی اجتہادی مسائل میں اگرچہ اختلاف رونما ہوا، مگر ان کے اختلافات کے پیچھے ان کی ذاتی خواہشات یا افتراق و انتشار پیدا کرنے کا کوئی دانتہ جذبہ کارفرمانہ تھا، جس کی وجہ سے یہ حضرات راہ ہدایت سے کبھی بھی ہٹنے نہ پائے۔ ان کی ساری تگ و دو کا مقصد چونکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول اور حق تک رسائی ہوتا تھا لہذا ہر دور کے اہل علم کے لیے اجتہادی مسائل میں فتویٰ دینے کی صلاحیت و اہلیت کے حامل مفتی حضرات کے فتاویٰ سے صرف نظر ممکن نہ تھا، البتہ ان کے خیال میں اگر فتویٰ درست ہوتا تو اسے درست قرار دیتے اور اس میں کسی خامی کی صورت میں ان کے لیے استغفار کرتے اور ان کے بارے میں حسن ظن سے کام لیتے تھے۔ اسی طرح قاضیوں کا تعلق خواہ کسی بھی مکتبہ فکر اور مسلک سے ہوتا، ان کے فیصلوں کو تسلیم کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ضرورت پیش آنے پر خود قاضی اپنے خاص مسلک کے خلاف بھی فیصلے کرتے تھے اور ایسا کرنے میں کوئی حرج یا تنگی محسوس نہ کرتے تھے۔ اس لیے کہ ان تمام حضرات کے دلائل اگرچہ مختلف ہوتے مگر وہ جس سرچشمہ سے سیراب ہوتے تھے، اس کا منبع ایک ہی تھا۔ ان کی احتیاط کا یہ عالم

مٹھا کر رائے یا اجتہاد کا اظہار اس طرح کے الفاظ میں کرتے، جیسے: ”ہذا احوط“ (میری محتاط رائے یہ ہے)، یا ”ہذا حسن“ (میرے خیال میں یہ بہتر ہے)، یا ”ہذا ماینبغی“ (یہ مناسب معلوم ہوتا ہے)، یا ”نکرتہ ہذا“ (ہمیں یہ بات اچھی نہیں لگتی)، یا ”لا یعجبنی“ وغیرہ۔ اس طرح نہ تو کسی پر کوئی تنگی ہوتی اور نہ ہی الزام و اتہام تراشی۔ اسی طرح ایسی کسی رائے کے اظہار پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی، جس کے لیے کوئی نہ کوئی دلیل موجود ہو۔ بلکہ لوگوں کے معاملات میں آسانی پیدا کرنے کے لیے پوری پوری وسعت اور کشادہ دلی کا مظاہرہ کیا جاتا تھا۔

اختلافی مسائل کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ صحابہ و تابعین اور بعد کے فقہاء میں سے کچھ حضرات بسم اللہ پڑھ کر نماز شروع کرنے کے قائل تھے۔ جب کہ کچھ حضرات ایسا کرنا پسند نہیں کرتے تھے، کچھ اسے بلند آواز میں پڑھتے تھے اور کچھ آہستہ، خجریں کچھ لوگ دعائے قنوت پڑھتے تھے، کچھ نہیں پڑھتے تھے۔ بعض کی رائے تھی کہ نکیر چھوٹنے، قے آنے اور سینگ لگوانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جب کہ دیگر حضرات اس رائے کے قائل نہ تھے۔ بعض کی رائے کے مطابق عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور بعض کے ہاں نہیں ٹوٹتا۔ اونٹ کا گوشت یا کوئی ایسی چیز جسے براہ راست آگ نے چھوٹا ہو اس کے کھانے سے کسی کے ہاں وضو کرنا ضروری تھا اور کسی کے ہاں نہیں تھا۔

اس کے باوجود تمام حضرات ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے تھے۔ جیسے مدینہ منورہ کے مالکی اور دیگر ائمہ باوجود یکہ بسم اللہ نہ تو جہراً پڑھتے تھے اور نہ ہی سراً لگے امام ابو حنیفہؒ خود اور ان کے ساتھی نیز امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ، ان کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ایک ن سینگ لگوانے کے بعد امامت کی، اور امام ابو یوسفؒ نے بھی اس کی اقتداء میں نماز ادا کی اور بعد میں نماز کو لوٹا یا نہیں حالانکہ ان کے مذہب میں پچھنے لگوانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا مسک تھا کہ نکیر چھوٹنے اور سینگ لگوانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ اگر وضو کرنے کے بعد امام کے بدن سے خون نکلے اور وہ دوبارہ

وضو نہ کرے تو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ آپ نے جواب دیا:
امام مالکؒ اور سعید بن المسیبؒ جیسے اماموں کے پیچھے میں نماز پڑھنے سے کیسے گریز
کر سکتا ہوں؟ (ان دونوں حضرات کے ہاں خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا)۔

امام شافعیؒ صبح کی نماز میں دعائے قنوت کے قائل تھے۔ ایک مرتبہ بغداد میں امام ابوحنیفہؒ
کے مزار کے قریب والی مسجد میں اُن کو صبح کی نماز ادا کرنے کا اتفاق ہوا تو انہوں نے دعائے
قنوت نہیں پڑھی، جب اُن سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ”کیا اُن
کی موجودگی میں میں اُن کے مسلک کی خلاف ورزی کی جرأت کر سکتا ہوں؟ پھر کہا: کبھی کبھی ہم اہل
عراق کے مذہب پر بھی عمل کر لیتے ہیں۔“

فقہاء میں امام مالکؒ اہل مدینہ کی روایت کردہ احادیث کے سلسلے میں ثقہ اور مستند
سمجھے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ حضرت عمرؓ کے فیصلوں، اور عبداللہ بن عمرؓ، حضرت
عائشہؓ اور فقہائے سبعہؒ کے اقوال کا بھی انہیں سب سے زیادہ علم تھا۔ آپ اور آپ جیسے
دیگر فقہاء کے ذریعے ہی علم روایت و فتویٰ کی بنیاد پڑی۔ آپ نے حدیث و فتویٰ کی گراں قدر خدمات
انجام دیں اور اپنی کتاب ”الموطا“ تالیف کی جس میں اہل حجاز کی قومی روایات، صحابہؓ کے
ثابت شدہ اقوال اور تابعین کے مستند فتاویٰ جمع کر دیئے۔ آپ نے اپنی کتاب کو فقہی
الواب کے مطابق بڑی عمدہ ترتیب دی ہے جو آپ کی چالیس سالہ کاوشوں کا ثمرہ ہے۔
تاریخ اسلام میں حدیث و فقہ کی یہ سب سے پہلی کتاب ہے۔ امام کے ستر معاصر علماء حجاز
نے اس کی تائید و توثیق کی۔ اس کے باوجود خلیفہ منصور نے جب اس کے چند نسخے تیار کروا کر
دوسرے شہروں میں بھیجنے کا خیال ظاہر کیا تا کہ تمام لوگ صرف اس کے مطابق عمل کریں، تاکہ

لے حجة الله البالغه ص ۲۳۵

لے فقہائے سبعہ سے مراد ہیں: صحیب بن المسیب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، خارجہ
بن زید، ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام، سلیمان بن یسار، عبداللہ بن عبداللہ
بن عقبہ بن مسعود۔

اختلافات کا خاتمہ ہو، تو سب سے پہلے امام مالکؒ ہی نے اس تجویز کو رد کیا اور فرمایا: ”امیر المومنین! آپ ایسا نہ کریں، اس لیے کہ لوگوں تک اس سے پہلے بہت سے اقوال اور احادیث و روایات پہنچ چکی ہیں، ہر ایک نے اپنے تک پہنچنے والی روایت کو اپنا لیا، جس سے ان کے درمیان خود ہی اختلاف رونما ہو چکا ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنے لیے جو چیز اختیار کر لی ہے اُسی پر آپ انہیں چھوڑ دیں“ خلیفہ منصور ان کا جواب سن کر مطمئن ہو گیا اور کہا: ابو عبد اللہ! اللہ آپ کو مزید توفیق بخشے۔

یہ کتنے جلیل القدر امام تھے جنہیں یہ بات ناگوار تھی کہ لوگوں کو صرف ان کی تالیف کردہ کتاب پر عمل کا پابند بنایا جائے۔ حالانکہ اس کتاب میں انہوں نے احادیث و اقوال کا وہ بہترین ذخیرہ جمع کر دیا ہے جو اُن کے نزدیک مستند اور قابل اعتماد تھا۔ اور جس کے بارے میں اہل مدینہ اور معاصر علماء کی اتنی بڑی جماعت کو کوئی اختلاف بھی نہ تھا۔

فقہاء کے آداب اختلاف کے چند نقوش | امام مالکؒ فرماتے ہیں: ”علم دین ایک ایسا علم ہے، جسے چار قسم کے لوگوں سے حاصل نہیں کیا جاسکتا: بیوقوف و احمق، نفس پرست جو گمراہی پھیلانے پر کمر بستہ ہو، کذاب جو لوگوں کے معاملات میں دروغ گوئی سے کام لیتا ہو۔ خواہ روایت حدیث کے سلسلہ میں وہ متہم نہ ہو، اور ایسا شخص جو عابد و زاہد اور متقی تو ہو مگر اسے اس چیز کی صحت و ضعف کا علم نہ ہو جسے وہ بیان کر رہا ہے۔“

نیز آپؐ نے فرمایا: یہ علم دراصل دین ہی ہے، اس لیے جس شخص سے اسے حاصل کر رہے ہوں اُس کے بارے میں غور و فکر سے کام لینا چاہیے۔ میں نے ستر علماء کو دیکھا جو مسجد نبوی کے ان ستونوں کے پاس بیٹھ کر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہے تھے مگر ان میں سے کسی سے بھی میں نے کوئی روایت نہیں لی۔ ان میں سے کسی کو بھی اگر بیت المال کا نگران بنایا جاتا تو بلاشبہ وہ اس میں ذرہ برابر خیانت کے مرتکب نہ ہوتے،

نکڑا اسی عظیم الشان کام کے وہ بہر حال اہل نہیں تھے۔ دوسری طرف ابن شہاب (مشہور محدث امام زہری، جب ہمارے ہاں تشریف لائے تو ان کے دروازے پر ہر وقت علم کے متلاشی لوگوں کی بھیس لگی رہتی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ ان صفات کے حامل افراد کے درمیان کوئی بڑا اختلاف نہ ہونا بعید از امکان تھا۔ اور اگر مقصوراً بہت اختلاف واقع ہوا بھی تو وہ صرف حق کے لیے ہوا کرتا تھا۔ ان کے دلوں میں ہوا و ہوس کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ جن آداب اختلاف پر ہمارے علمائے سلف کا رنڈ رہے ان کے چند نمونے ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ اپنے لیے ہم انہیں مشعلِ راہ بنا سکیں۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ | امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے فقہی مسالک میں جو فرق ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔ اسی طرح دونوں حضرات کے ہاں مرتجی اصول و ضوابط اجتہاد کی بنیادی بھی الگ الگ ہیں اور دونوں میں عمر کا بھی تفاوت تھا۔ اس کے باوجود ایک دوسرے کے احترام میں کوئی چیز مانع نہ ہو سکی۔ اور فقہ میں طریقہ کار کا اختلاف ان کے دلوں میں باہمی محبت اور احترام میں کمی کا سبب نہیں بننے پایا۔

قاضی عیاضؒ اپنی کتاب "المدا رک" میں لیث بن سعد کی زبانی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں امام مالکؒ سے ان کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے آپ سے کہا: کیا وجہ ہے کہ میں آپ کو اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا: ابو حنیفہؒ سے گفتگو نے مجھے پسینہ پسینہ کر دیا۔ اے مصری! وہ بلاشبہ فقیہ ہیں۔

امام لیثؒ نے کہا: اس کے بعد میں نے امام ابو حنیفہؒ سے ملاقات کر کے کہا: اس شخص نے اشارہ امام مالکؒ کی طرف کیا، آپ کے بارے میں کتنی اچھی بات کہی ہے۔ تو آپ نے فرمایا: "صحیح جواب دینے اور بھرپور تنقید کرنے میں ان سے تیز خاطر آدمی بنے نہیں دیکھا۔"

امام شافعیؒ اور امام محمدؒ | امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ایک روز میرا اور محمد بن الحسن کا مباحثہ ہوا، بات بڑھتے بڑھتے اختلاف کی حد تک پہنچ گئی۔ حتیٰ کہ یوں محسوس ہونے لگا گویا ان کی رگیں پھٹ پڑیں گی۔ اور ہن ٹوٹ جائیں گے۔

امام محمدؒ کہتے ہیں: ”اگر کبھی اختلافی مسائل میں ہم پر کوئی شخص حاوی ہوا تو وہ شافعیؒ کے سرا کوئی اور نہیں۔“ ان سلسلے کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا: ”ان کے زور بیان اور غور سے بات سن کر پورے اعتماد و یقین کے ساتھ سوال و جواب کرنے کی خوبی کی بنا پر۔“
”لہذا امت کے آداب اختلاف کے ان نمونوں سے یہ نتائج نکلتے ہیں کہ قرونِ خیر میں بعد میں آنے والے حضرات نے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے اور ادبِ نبویؐ سے فیض یاب ہوتے رہنے کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ سلف صالحینِ آداب اختلاف میں صرف طنز و تعریف سے اجتناب نہیں کرتے تھے، بلکہ اس دور میں حصولِ علم پر اپنی توجہ مرکوز رکھنے اور غیر ضروری باتوں سے اجتناب کرنا ان کا شیوہ بن چکا تھا۔ نیز وہ نادانستہ غلطی کے ارتکاب کے خوف کی بنا پر فتویٰ دینے سے احتراز کرتے تھے۔“

مؤلف ”القوت“ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں، جس میں انہوں نے بیان کیا: اس مسجد میں داشارہ مسجد نبویؐ کی طرف ہے، میں نے ایک سو بیس صحابہؓ کو اس حال میں دیکھا کہ ان میں سے کسی سے اگر کوئی حدیث یا فتویٰ پوچھا جاتا تو اس کی یہی خواہش ہوتی کہ کوئی دوسرا بھائی ہی اس کے متعلق بتائے۔ بالفاظِ دیگر کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ دوسرے کے پاس بھیجتا اور وہ کسی اور کے پاس، اس طرح سائل گھومتے ہوئے پھر اس شخص کے ہاں واپس پہنچتا جس سے پہلی مرتبہ اس نے سوال پوچھا تھا۔

اس سلسلے میں وہ سبکی یا شرمندگی کے جذبات و احساس سے بالا ہو چکے تھے۔ یہ غلطی کا خدشہ

۱۶ : الانتقام ص

۸ : ص

۱/۲۶۹ - ۲۸۰

ہی تھا، جو انہیں بعض اوقات کسی مسئلے کے جواب میں توقف پر مجبور کر دیتا تھا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص امام مالکؒ سے کوئی مسئلہ پوچھنے کے لیے حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اس کی قوم نے اسے یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے ایسی جگہ سے بھیجا ہے جس کا فاصلہ یہاں سے چھ ماہ کا ہے۔ آپ نے کہا: جس نے تمہیں بھیجا ہے اس سے جا کہ کہہ دو کہ میں یہ مسئلہ نہیں جانتا۔ اس شخص نے کہا: پھر اسے کون جانتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”وہی جسے اللہ نے اس کا علم دیا ہے۔“ ملائکہ نے کہا تھا ”لَا عَلِمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا“ البقرہ: ۳۲ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں، جتنا تو نے ہمیں سکھایا ہے۔

امام مالکؒ ہی کے متعلق یہ بھی مروی ہے کہ ان سے اڑتالیس مسئلے پوچھے گئے جن میں سے ۳۲ کے بارے میں آپ نے کہا ”لا ادری“ میں نہیں جانتا۔
خالد بن خداش کہتے ہیں: ”میں عراق سے چالیس مسئلے معلوم کرنے کے لیے امام مالکؒ کے ہاں حاضر ہوا، جن میں سے آپ نے صرف پانچ کے جواب دیئے۔“
ابن عجلان کہتے ہیں: ”اگر عالم ”لا ادری“ کہنا چھوڑ دے تو ہلاکت و بربادی اس کا مقدر ہوگا۔“

امام مالکؒ، عبد اللہ بن یزید بن ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: ”عالم کو چاہیے کہ اپنے ہم نشینوں کو ”لا ادری“ کہنا سکھائے تاکہ ان سے جب کسی ایسے مسئلے کے بارے میں سوال کیا جائے جس کا جواب انہیں معلوم نہ ہو تو وہ ”لا ادری“ کہہ کر اپنی جان بچا سکیں۔ حافظ ابن عبد البرؒ کہتے ہیں: حضرت ابوالدرداءؒ سے یہ صحیح روایت مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ”لا ادری“ کہنا آدھا علم ہے۔“

(باقی)